۷

میرا گاؤں

اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

بولنا
- مباحثوں، مذاکروں میں موضوع کے حق یا مخالفت میں حصہ لے سکیں۔

پڑھنا
- مختلف نثری اصناف ادب (کہانی، داستان، افسانہ، ڈراما اور ناول) پڑھ کر ان کے طرزِ تحریر سے آگاہ ہو سکیں۔
- عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجے، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھ سکیں
- افسانوی اور غیر افسانوی انتخاب پڑھ کر اس میں موجود معلومات اخذ کرتے ہوئے استعمال کر سکیں۔
- مختلف مصنفین / شعرا کے ادب پارے پڑھ کر اس زمانے کی تاریخ سے واقف ہوتے ہوئے عصری تناظر میں اس کی اہمیت پر رائے دے سکیں۔
- عالمی ثقافتوں، معاشرتی، معاشی اور سماجی رابطوں کے لیے مختلف تحاریر کو پڑھ سکیں اور ان سے معلومات اخذ کر سکیں۔

لکھنا
- رسمی و غیر رسمی خطوط کی تحریری یا برقی (ای میل کے لیے) تشکیل کر سکیں۔

قواعد / زبان شناسی
- حروف (شرط و جزا، علت، اضراب، بیان اور تشبیہ) کو تحریر و تقریر میں استعمال کر سکیں۔

خاص الفاظ	اَینچ پینچ	پَدَ بَتوں ۔	پگڈنڈی	جی للچانا
	خَراس	سفید پوش	سَنولاہٹ	کُدکارے

ہدایات برائے اساتذہ کرام

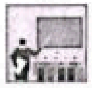

- سبق خوانی سے قبل طلبہ کو اردو ناول کے ارتقا اور اقسام سے آگاہ کریں ۔ بعد میں طلبہ کو مختلف دنوں میں غلام الثقلین نقوی کا ناول "میرا گاؤں" پڑھنے کے لیے دیں تاکہ ناول میں جس زمانے کے حالات و واقعات بیان کیے گئے ہیں طلبہ انھیں پڑھ کر لطف اندوز ہو سکیں۔
- طلبہ کو قدرت اللہ شہاب یا کسی اور مصنف کے بچپن کے حالات و واقعات (تاریخ) سے آگاہ کریں اور انھیں بتائیں کہ وہ کس طرح گزرے حالات و واقعات کا اپنے موجودہ حالات (عصری تناظر) سے موازنہ کرکے اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں؟

غلام الثقلین نقوی (۱۹۲۲ء۔ ۲۰۰۲ء)

غلام الثقلین نقوی ۱۲ مارچ ۱۹۲۲ء کو چوکی ہتاڑن، نوشہرہ، ریاست جموں و کشمیر میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے مرے کالج سیال کوٹ سے گریجویشن، سینٹرل کالج لاہور سے بی ۔ ٹی کی ڈگریاں حاصل کیں اور پنجاب یونی ورسٹی سے ایم۔ اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد وہ تعلیم کے شعبے سے وابستہ ہوئے۔ نومبر ۱۹۶۸ء سے اپنی سبک دوشی تک وہ گورنمنٹ کالج لاہور سے منسلک رہے۔ غلام الثقلین نقوی نے بہ یک وقت افسانہ، سفر نامہ، مضامین اور ناول کی صنف میں طبع آزمائی کی لیکن وہ افسانہ نگاری کی وجہ سے زیادہ مشہور ہوئے۔ وہ حلقہ ارباب ذوق سے وابستگی رکھتے تھے۔ کہا جا سکتا ہے کہ آپ کافی حد تک بسیار نویس تھے۔ متعدد اصناف میں طبع آزمائی کی اور شہرت و ناموری ناول "میرا گاؤں" سے حاصل ہوئی۔ آپ کی تصانیف میں بند گلی، شفق کے سائے، سرگوشی، نقطے سے نقطے تک (افسانوی مجموعے)، اک طرفہ تماشا ہے (مضامین کا مجموعہ)، بکھری راہیں، میرا گاؤں (ناول)، چاند پور کی نینا شیر زمان (ناولٹ)، چل بابا اگلے شہر (سفر نامہ) کے نام سرفہرست ہیں۔ غلام الثقلین نقوی ۶۔ اپریل ۲۰۰۲ء کو لاہور میں وفات پا گئے اور موضع بجر تھ، ضلع سیال کوٹ میں سپردِ خاک ہوئے۔

پڑھیں

پڑھنے سے پہلے پوچھیں

- ناول کس قسم کی کہانی کو کہتے ہیں؟
- ناول کس زبان وادب کے زیرِ اثر، اردو میں آیا؟

میں چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا جب ہمارے گاؤں میں آٹا پیسنے کی مشین لگی تھی۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو اَب تک میرے ذہن میں موجود ہے جیسے یہ کل کی بات ہو۔ یوں بھی زندگی کی سیدھی لکیر پر کوئی ننھا سا موڑ آجائے تو یوں لگتا ہے جیسے سفر کی ایک نئی منزل کا آغاز ہو رہا ہے اور میں جو زندگی کے سفر کا ایک معمولی سا راہی ہوں اور جس نے زندگی کے بہت کم اینچ پینچ دیکھے ہیں، اِس موڑ پر کچھ دیر کے لیے ضرور ٹھٹکا تھا اور اِس کے بعد سیدھی اور صاف پگڈنڈی کا رُخ ذرا سا بدل گیا تھا۔

اب تو میرے گاؤں میں پرائمری سکول قائم ہے لیکن میرے بچپن میں جب ابھی پاکستان وجود میں نہیں آیا تھا، میں اپنے گاؤں سے تین میل دُور گل بہار میں پڑھنے کو جایا کرتا تھا۔ میں پڑھائی میں اچھا تھا اور میرے استاد مجھ پر مہربان تھے، اِس لیے بچپن کے اُس زمانے کی یادیں اب بھی تازہ ہیں۔ یادیں کڑوی ہوں یا میٹھی، تازگی اُنھی میں ہوتی ہے جو۔۔۔ نہ جانے کیا۔۔۔ آٹھویں جماعت پاس شخص کے پاس مناسب لفظ بھی کم ہوتے ہیں اور لوگ جب مجھے منشی عبدالرحمن کے نام سے پکارتے ہیں تو مجھے اپنی کم علمی پر شرم بھی آتی ہے لیکن میں جو بات کرنا چاہتا ہوں اُسے لفظوں کا لباس پہنانا بھی ضروری ہے۔ میرا مطلب ہے اگر مجھے تصویر کھینچنی آتی تو کڑوی یادوں کو میں زمین کے اُس ٹکڑے سے ظاہر کرتا جو ہرے بھرے کھیتوں سے الگ تھلگ نظر آتا ہے اور بل کھاتی ہوئی پگڈنڈی جب اُس ٹکڑے میں اُگی جھاڑیوں سے گزرتی ہے تو یوں لگتا ہے جیسے اُس مایوس و نامراد و بنجر ٹکڑے نے میری یادوں کو کڑوا بنا دیا ہو۔۔۔ یا اُنھی کھیتوں کے درمیان سنگتروں اور مالٹوں کا وہ باغیچہ بھی تھا جس کی خوش بُو اور جس کا رنگ اب تک میرے ذائقے میں مٹھاس گھولتا رہتا ہے اور اُس سے دُور شمال کی طرف نیلے پہاڑوں کی دیواریں ہیں۔ سردیوں کی بے داغ دھوپ میں نیلے پربتوں کی چوٹیوں پر برف چمکتی ہے تو بچپن کی ساری یادیں اب بھی نیلے آنچلوں کی طرح لہرانے لگتی ہیں۔

پر بات تو اسکول اور چکی کی ہو رہی تھی۔

اس دن سکول سے واپسی پر میں نیلے پربتوں کی طرف منھ کیے بیٹھا تھا اور سکول کا کام کر رہا تھا۔ گھر پہنچ کر کام کرنے کا وقت نہیں ملا کرتا تھا۔ یوں بھی باغیچے میں بڑا سکون ملتا۔ چڑیاں چہچہاتیں اور تتلیاں اُڑتی پھرتیں۔ کئی بار ایسا ہوتا کہ کوئی رنگ برنگی چڑیا میرے سر کی اوپر کی شاخ پر بیٹھ کر مجھ سے ہم کلام ہو جاتی۔ ماہنے! اوماہنے!

کیا بات ہے سُنی!

ماہنے اوماہنے!

کچھ کہو بھی، نہیں تو مجھے کام کرنے دو۔

ماہنے! اوماہنے!

یہ تُونے ماہنے! اوماہنے!! کی کیا رٹ لگا رکھی ہے؟ میں اونچی آواز میں کہتا اور چڑیا پُھر سے اڑ جاتی۔

اور چند لموں بعد ایک تتلی اُڑتی ہوئی آتی اور میرے سامنے سبز گھاس کے ایک تنکے پر بیٹھ کر پھڑ پھڑانے لگتی۔ تتلی کچھ نہ بولتی، ممکن ہے۔ وہ بھی مجھ سے ہم کلام ہوتی ہو، پر میں اُس کی آواز سُن نہ سکتا تھا۔ میرا خیال ہے اُس کے پروں کی رنگ برنگی پھڑ پھڑاہٹ میں کوئی آواز ضرور تھی اور اب جب میں قلم ہاتھ سے رکھ کر اس کے متعلق سوچ رہا تھا تو مجھے رنگ اُڑتے ہوئے نظر آئے اور آواز کا جادو میرے دل میں نغمے جگانے لگا۔

یکا یک گاؤں کی طرف سے ڈھول پٹنے کی آواز آئی اور میرے کان کھڑے ہو گئے۔

ڈھول کی آواز دور سے بہت سہانی معلوم ہوتی ہے، خواہ مخواہ تال پر ناچنے کو جی چاہتا ہے جبھی تو اب جب کہ میری کنپٹیوں میں سفید بال آچکے ہیں اور میری عمر کے لوگ میلوں ٹھیلوں میں شریک ہونے سے ہچکچاتے ہیں، ڈھول کی آواز پر میرے پاؤں خود بہ خود حرکت میں آجاتے ہیں اور جب میرے پاؤں میرے جسم سے بالکل الگ تھلگ ہو جاتے ہیں تو مجھے اپنے آپ کو یہ کہ کر روکنا پڑتا ہے۔ منشی عبدالرحمٰن! اب تیرے دن بھنگڑا ڈالنے کے نہیں اب تو۔۔۔ میں بات کو کہاں سے کہاں لے گیا۔ ڈھول کی آواز سنتے ہی میں نے کھدر کے بستے میں کتابیں لپیٹیں اور تال پر ناچتا ہوا تیز تیز گاؤں کی طرف دوڑا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میں بھی ناچ رہا تھا اور گندم کے سر سبز کھیتوں کے درمیان پگڈنڈی بھی میرے ساتھ ساتھ سو سو بل کھاتی ہوئی، ناچ رہی ہے۔

گاؤں کے مشرقی کونے پر لوگوں کا ٹھٹھ کا ٹھٹھ لگا ہوا تھا۔ سارا گاؤں یہاں موجود تھا۔ بچے بھی، جوان بھی، بوڑھے بھی، لڑکیاں اور عورتیں بھی۔ جب میں بھیڑ میں داخل ہوا تو سب سے پہلے سُلی سے ملاقات ہوئی۔ ہم اُسے سُلی ہی کہتے تھے، حالاں کہ سکول کے رجسٹر میں، جب اُس کی حاضری بولی جاتی تو اُسے محمد سلیمان کے نام سے پکارا جاتا۔ آج وہ سکول سے غیر حاضر تھا۔ ماسٹر جی نے مجھے کہا تھا کہ اس کی غیر حاضری کی خبر اس کے باپ کو ضرور دے دوں۔ سُلی نے نئے کپڑے پہنے تھے اور ہجوم میں اکڑا کڑ کر چل رہا تھا۔

میں نے اُس سے کہا: چھوٹے سفید پوش، کل سکول میں تیری پٹائی ہو گی۔ میں چوہدری صاحب کو تیری غیر حاضری کی خبر ابھی دوں گا۔

"ضرور، ضرور!! اس نے ناک سکیڑ کر کہا: ماہنے! آج تو ضرور شکایت لگا کر دیکھ۔ تجھے بھی پتا ہے آج ہماری چکی پہلی بار چلے گی۔ آج ابا مجھے کچھ نہیں کہے گا۔"

سُلی میرا ہم عمر ہے، کوئی ایک سال ہی تو چھوٹا ہو گا مگر ہم دونوں سکول میں اکٹھے داخل ہوئے تھے اور داخلے کے وقت ہماری عمریں آٹھ نو سال سے کیا کم ہوں گی۔ سُلی تو خیر گاؤں کے نمبر دار اور سفید پوش چوہدری شرف دین کا بیٹا تھا، اِس لیے گل بہار میں سکول کھلا تو چوہدری اُسے وہاں داخل کروا آیا تھا میرے داخل ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا لیکن چوہدری کو خیال آیا کہ سُلی کا کوئی ساتھی بھی تو ہونا چاہیے۔ اس کی نظرِ انتخاب مجھ پر پڑی۔ میں اُن دنوں گاؤں کے مولوی جی کے پاس قرآن شریف پڑھا کرتا تھا۔ مولوی جی کے نزدیک میں پڑھنے میں اچھا تھا۔ میرے باپ سے اُنھوں نے بھی سفارش کی اور چوہدری بھی ہمارے گھر آیا۔ میرے باپ نے بہتیرا انکار کیا پر وہ نہ مانا۔

میرے باپ نے کہا: چوہدری! ماہنا میرا پہلوٹھی کا بیٹا ہے۔ اب وہ میرا ہاتھ بٹانے لگ گیا ہے۔ بیل ہانک لیتا ہے، چارا کاٹ لیتا ہے، کیارا موڑ لیتا ہے۔ پڑھنے لکھنے میں لگ گیا تو میرے کام کا نہیں رہے گا۔ بس دین اسلام کی کچھ کچھ خبر لگ جائے اُسے تو کافی ہے کیوں مولبی جی۔

بات تو تمھاری ٹھیک ہے چوہدری موج دین! پر بڑے چوہدری کو ناراض کرنا بھی اچھا نہیں۔

موج دینا! اتنا تو خیال کر، میں تیرے پاس چل کر آیا ہوں - چوہدری نے کہا۔

تیرا آنا میرے سر ماتھے پر چوہدری، پر ماہنے نے پڑھ لکھ کر کون سا پٹواری بن جانا ہے۔

میرا تیرا خدا ضامن ہے، ماہنا پڑھ گیا تو میں اُسے پٹواری ضرور بنوا دوں گا۔ آخر میں سفید پوش ہوں، تحصیل کچہری میں میرے جاننے والے بہت سے ہیں۔ میری اتنی سی بات بھی نہ مانی جائے گی بھلا!!!

نہیں چوہدری! میرے باپ نے کہا: کوئی اور کام بتا، میں نہ کروں تو بلا شک دوش دینا۔

موج دین!"

سفید پوش کا بدلا ہوا لہجہ سن کر میرا باپ کچھ گھبرا سا گیا۔

کہو چوہدری!"

نالے کے کنارے والے تین کھیتوں کا ٹھیکا اِس سال مجھے پورا وصول نہیں ہوا۔

ہاں چوہدری، نہیں ہوا۔ نالے میں اِتنا پانی نہیں آیا تھا۔ اِس سال جھلار سارا سال بے کار رہی۔

میں نے اِس سال کا باقی ٹھیکا تمھیں معاف کیا۔ پر، اگلے سال کو جو میں زمین کسی اَور کو دے دوں تو تجھے انکار تو نہیں ہو گا موج دین؟

زمین تیری ہے چوہدری، میں کون ہوں، انکار کرنے والا؟ میرے باپ نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

چوہدری جی! مولوی صاحب بولے: کل ماہنا سکول پہنچ جائے گا۔ کیوں چوہدری موج دین۔

مولبی جی! بڑے چوہدری کی بات کو میں کون ہوں ٹالنے والا؟ ماہنے کو مدرسے بھیجنے میں اِس نے اُس کا کچھ بھلا ضرور سوچا ہو گا۔ میرے باپ نے ہارے ہوئے لہجے میں کہا۔

دوسرے دن میں سُلی کے ساتھ سکول پہنچ گیا اور اب چار سال سے میرا اور سُلی کا ساتھ تھا۔ پر اِن چار سالوں میں میں اور سُلی دوست نہ بن سکے تھے۔ میں پڑھائی میں اس سے زیادہ ہوشیار تھا پر سُلی مجھے اپنے برابر نہ سمجھتا تھا۔ ہم ایک ہی برادری کے لوگ تھے۔ یہ اور بات ہے کہ سُلی کے باپ کے پاس ہم سے کہیں زیادہ زمین تھی۔ ہماری زمین تقسیم ہوتے ہوتے ایک دو کھیتوں میں بٹ گئی تھی۔ پہلا سال تو ہم دونوں اکٹھے مدرسے جاتے اور اکٹھے واپس آتے رہے۔ اگلے سال ہمارے گاؤں کے کچھ اور لڑکے بھی سکول میں داخل ہو گئے تھے۔ سُلی نے میرے ساتھ دوستی توڑلی اور وہ اُن لڑکوں کی ٹولی کا سردار بن گیا۔ پھر بھی سکول سے جو کام ملتا وہ سُلی مجھ سے زبردستی کرواتا رہا۔ ایک بار منشی جی نے ہم دونوں کی ایک جیسی لکھائی دیکھ کر ہمیں پیٹا تو میں نے سُلی کا کام چھوڑ دیا۔ مجھے پڑھنے کا شوق تھا تو سُلی کو کھیل کُود کا۔ سکول سے واپسی کے بعد وہ سارا وقت کھیل کُود میں گزار دیتا اور میں باغیچے میں بیٹھ کر مدرسے کا کام پورا کر لیتا اور تب گاؤں پہنچنے کے بہ جائے سیدھا اپنے کنوئیں پر پہنچتا اور کام کاج میں باپ کا ہاتھ بٹاتا سُلی اِس بات سے بہت چڑتا تھا۔

گاؤں میں کبھی کبھار ہنگامہ ہوتا ہے۔ چکی کا پہلی بار چلنا سارے گاؤں والوں کے لیے ایک میلے سے کم نہیں تھا۔ میں میلے میں کھو گیا تو مجھے بالکل یاد ہی نہ رہا کہ کنوئیں پر جا کر مویشیوں کے لیے چارہ کاٹنا ہے اور دودھ کا گڑوا، لے کر شام کو گھر پہنچنا ہے۔ بعض اوقات چھوٹی چھوٹی یادیں دماغ میں کتنی پائیداری سے نقش ہو جاتی ہیں۔ میں میلے میں گھوم پھر رہا تھا اور بھانت بھانت کی باتیں سُن کر بڑا خوش ہو رہا تھا۔ چوہدری شرف دین لٹھے کا سفید تہمد اور لٹھے کا سفید کُرتا پہنے اُس کمرے کے دروازے پر کھڑا تھا جس کے اندر انجن لگا تھا۔ اُس کی کف لگی پگڑی کا طرہ ہوا میں لہرا رہا تھا۔

چوہدری اُس دن بڑا با رعب لگ رہا تھا۔ یوں بھی سارے گاؤں میں وہی ایک شخص تھا جو ہمیشہ صاف ستھرے سفید کپڑے پہنتا اور اُن دنوں میرا خیال تھا کہ اُسے انھی کپڑوں کی وجہ سے سفید پوش کہا جاتا ہے۔

اس ہجوم کی دوسری بڑی شخصیت وہ مستری تھا جس نے چکی کا انجن چلانا تھا۔ یہ مستری شہر سے آیا تھا وہ بوسکی کی قمیض اور بھانتوں والا پاجامہ پہنے ہوئے تھا۔ اُس کی ننھی ننھی مونچھیں بڑی صفائی سے ترشی ہوئی تھیں، اس کے پاؤں میں زری کے چپل تھے اور اس کی واسکٹ پر بھی زری کا کام ہوا ہوا تھا۔ سنہری دھوپ میں واسکٹ کے پھول جھلمل جھلمل کر رہے تھے۔

نہ جانے کیوں بابا نتھو اس بھیڑ میں مجھے سب سے الگ تھلگ نظر آیا۔ بابا نتھو گاؤں کے مغربی کونے میں ایک کچے مکان میں رہتا تھا جس کے آنگن

میں اس کا خراس تھا۔اس آنگن کے ایک کونے میں بکائن کا ایک درخت تھا جس کی چھتنار کا سایہ مجھے بڑا بھلا لگتا تھا۔ بابا نتھو خراس کا مالک تھا۔لوگ اپنی اپنی جوگ لے کر آتے اور خراس سے دانے پیسوا کر لے جاتے۔ بابا نتھو کو پہاڑا مل جاتا۔ سردیوں میں دھوپ میں اور گرمیوں میں چھتنار کے سائے تلے اُس کی جھلنگا سی کھاٹ بچھی ہوتی اور پاس ہی اُس کی پوتی شیماں کھیل رہی ہوتی۔ شیماں مجھ سے یہی کوئی دو ایک سال چھوٹی ہوگی۔ پر وہ میرے ساتھ کھیل کر بہت خوش ہوتی تھی۔ جب اتوار کو یا کوئی اور چھٹی ہوتی تو میں اُس کے ہاں ریٹھے کھیلنے کے لیے چلا جاتا۔

اب میں ایک عرصے سے شیماں کے ہاں کھیلنے کو نہیں گیا تھا حالاں کہ شیماں کی پالی ہوئی بچھیا سے مجھے بہت پیار تھا۔ یہ بات تو بابا نتھو کی ہو رہی تھی۔ میں نتھو سے شیماں اور شیماں سے حمیدا اس تک پہنچ گیا اور بچھیا ان دونوں کے بیچ میں کلول کرنے لگی۔ یاد کے ایک نقطے سے کتنی پگڈنڈیاں پھوٹتی ہیں۔ قلم اٹھانے سے پہلے مجھے اس کا پتا نہیں تھا کہ میں کن کن بھول بھلیوں میں کھو جاؤں گا۔

میں بابا نتھو کے پاس جا کر چُپ چاپ کھڑا ہو گیا۔

شیطان کا کرخانہ"۔۔۔ بابا نتھو بولا۔

میں نے سمجھا: بابا نتھو نے مجھے کچھ کہا ہے، میں نے بڑے بھولپن سے کہا، بابا! میں تو ماہنا ہوں۔

شیطان کا کرخانہ۔۔۔"

بابا شیطان یہاں کہاں سے آگیا؟ میں نے ذرا چہک کر کہا۔

یہیں ہے ماہنے، یہیں ہے۔

کہاں ہے؟ میں نے چِڑ کر کہا۔

اس کمرے کے اندر نہ جانے چوہدری کو کیا سوجھی کہ شیطان کا چرخا اس گاؤں میں لے آیا۔ لوگ میلہ دیکھنے آئے ہیں۔ ہُوں، میلہ!!!! ابھی شیطانی چرخا چلے گا۔ گھرر گھرر۔۔۔ اور پھر دیکھنا کیا ہو گا۔ گاؤں سے ساری برکت اُٹھ جائے گی۔ کبھی شیطان بھی انسان کا دوست بنتا ہے؟؟؟

پر بابا! یہ تو آٹا پیسنے کی چکی ہے۔ گل بہار میں تو کئی سالوں سے یہ چکی چل رہی ہے۔ وہاں تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ میں نے دانا بنتے ہوئے کہا۔

لڑکے! میں بھی جانتا ہوں۔ پر اس کے چلانے کو نہ بیل جُتتے ہیں، نہ گدھے گھوڑے پھر شیطان کے سوا اور کون ہے۔ جو اسے چلاتا ہے؟

مجھ سے کوئی جواب بن نہ پڑا تو بابا نے کہا: بول ماہنے، کون چلاتا ہے چکی کے پاٹوں کو۔ میں کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ وہ مستری اور کون؟

مستری انسان ہے یا جن؟

انسان"۔

میرے خراس کے پاٹ تو اس وقت گھومتے ہیں جب بیل مل کر زور لگاتے ہیں، اس چکی کے پاٹ تو ان سے کہیں بڑے ہیں ماہنے۔

مجھے تو نظر نہیں آرہے۔۔۔"

جب وہ چھکڑے پر لے کر آئے تھے تو میں نے دیکھے تھے۔ اب بتا! شیطان کے سوا کون ہے جو انھیں چکر دے گا۔ سفید پوش اچھا بھلا آدمی تھا۔ نہ جانے اُسے کیا سوجھا کہ گاؤں میں شیطانی چرخا لے آیا؟

اس اثنا میں شیماں بھی آگئی۔

اُس نے پوچھا: ماہنے! تم اب ہمارے ہاں کیوں نہیں آتے۔"

پڑھائی لکھائی سے وقت ہی نہیں ملتا اور اب میں بڑا بھی تو ہو گیا ہوں۔ "

کتنے بڑے ہو گئے ہو؟" بابا تھو نے مسکرا کر پوچھا۔

ایک دو مہینوں میں چوتھی پاس کر لوں گا تو تیرہ سال کا ہو جاؤں گا۔ "

پھر کیا ہو گا؟"

میں اور پڑھوں گا اور پھر پٹواری لگ جاؤں گا۔"

تو اب تم ریٹھے کھیلنے کبھی نہیں آؤ گے ماہنے!!" شیماں نے پوچھا۔

نہیں؟"

گوری کو دیکھنے نہیں آؤ گے؟"

کون گوری؟"

بھول گئے ہو ہی بچھیا جو ہم نے پار سال لی تھی۔ "

ہوں!! وہ بچھیا تو تم نے اس کا نام گوری رکھ دیا ہے۔"

گوری کو دیکھنے کے لیے میرا جی للچا گیا۔ میں کسان کا بیٹا ہوں۔ مجھے ڈھور ڈنگروں سے اب بھی پیار ہے اور اس وقت بھی وہ بچھیا کیا تھی؟ پارہ تھی پارہ۔۔۔ سارے آنگن میں کدکڑے لگاتی پھرتی۔ سرخ رنگ۔ بے داغ چھریرا بدن۔۔۔ دو چار سال بعد وہ گاؤں کی سب سے زیادہ خوب صورت گائے بن جائے گی۔ تب میں نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں کہا: میں گوری کو دیکھنے آؤں گا شیماں پر چھٹی کے دن۔"

اور تب میری توجہ گاؤں کی طرف سے آنے والی عورتوں پر لگ گئی۔ ان کے سر پر گٹھڑیاں تھیں۔ سب سے آگے آگے چودھرائن تھی، پر اس کے سر پر گٹھڑی نہیں تھی۔ اس کے پیچھے حمیداں تھی جو گٹھڑی اٹھا کر ٹھمک ٹھمک چل رہی تھی۔ اپنے صاف ستھرے کپڑوں کی وجہ سے وہ باقی عورتوں سے الگ تھلگ معلوم ہو رہی تھی جب وہ چکی پر پہنچیں تو سفید پوش نے کہا: مستری تم انجن کو گرم کرو۔

مولوی جی!! بسم اللہ کیجیے اور اپنے ہاتھ سے دانے چھانے میں ڈالیے۔ چوہدری نے کہا: مولوی جی نے کچھ آیتوں کی تلاوت کرتے ہوئے حمیداں کی گٹھڑی اپنے ہاتھوں میں لی اور لکڑی کی دو سیڑھیاں چڑھ کر اوپر تختوں پر پہنچے اور مستری کی مدد سے دانے چھانے میں انڈیل دیے۔ دانے ڈالتے ہوئے مولوی جی کانپ رہے تھے اور سفید پوش مسکرا رہا تھا۔ جب نیچے سے آٹے کی دھار پیپے میں گرنے لگی تو چوہدری نے ہاتھ بڑھا کر آٹا اپنے ہاتھ میں لیا اور بے اختیار ہو کر کہا: کتنا باریک پس رہا ہے۔ میدہ ہے میدہ سُکی کی ماں!!

جی! چودھرائن نے کہا۔

آٹے کو ذرا مٹھی میں لے کر دیکھو تو۔ "

چودھرائن نے آٹا مٹھی میں لیا اور انگلیوں سے مل کر دیکھا۔ اس نے چہک کر کہا: بڑا باریک پس رہا ہے، تب حمیداں کی باری آئی، آٹا اس کی مٹھی میں آیا تو اس کے چہرے کی ستلاہٹ مسکرا اٹھی۔ حمیداں کے بعد سُکی آگے بڑھا۔ مستری ایک گٹھڑی کے بعد دوسری چھانے میں انڈیلتا رہا۔

(میرا گاؤں)

مشق

بولنا

۱۔ اپنے استاد محترم/استانی صاحبہ کی رہنمائی میں اپنے سکول میں "بین المذاہب ہم آہنگی" یا "تحفظِ اطفال" کے موضوع پر ایک مباحثہ یا مذاکرہ منعقد کرائیں جس میں مختلف سکولوں کے طلبہ کو شرکت کی دعوت دیں۔ اس مذاکرے یا مباحثے میں موضوع کے حق یا مخالفت میں خود بھی حصہ لیں۔

پڑھنا

۲۔ کسی عبارت میں موجود الفاظ کو زیر، زبر، پیش اور شد کی حرکات کی مناسبت سے پڑھنے کو درست تلفظ سے پڑھنا کہتے ہیں۔ اسی طرح عبارت میں موجود مختلف الفاظ پر موقعے اور تاثر کی مناسبت سے زیادہ زور دیا جاتا ہے اور کچھ الفاظ پر کم، جب کہ باقیوں کو روانی سے پڑھ دیا جاتا ہے۔ جذبات، احساسات اور تاثرات کا بھی خیال رکھا جاتا ہے تاکہ پڑھی جانے والی عبارت روکھی پھیکی سی محسوس نہ ہو بلکہ سننے والوں پر ایک تاثر قائم کر سکے۔

درج ذیل عبارت کو درست تلفظ، لب و لہجے، اتار چڑھاؤ اور ضرورت کے مطابق تاثر کے ساتھ پڑھیں اور دیے گئے سوالات کے جوابات دیں۔

اس کمرے کے اندر نہ جانے چوہدری کو کیا سوجھی کہ شیطان کا چرخا اس گاؤں میں لے آیا۔ لوگ میلہ دیکھنے آئے ہیں۔ ہوں میلہ!!! ابھی شیطانی چرخا چلے گا۔ گھرر گھرر۔ اور پھر دیکھنا کیا ہوگا۔ گاؤں سے ساری برکت اٹھ جائے گی۔ کبھی شیطان بھی انسان کا دوست بنتا ہے۔

پر بابا! یہ تو آٹا پیسنے کی چکی ہے۔ گل بہار میں تو کئی سالوں سے یہ چکی چل رہی ہے وہاں تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ میں نے دانا بنتے ہوئے کہا۔

لڑکے! میں بھی جانتا ہوں۔ پر اس کے چلانے کو نہ بیل جتتے ہیں، نہ گدھے گھوڑے پھر شیطان کے سوا اور کون ہے جو اسے چلاتا ہے؟

مجھ سے کوئی جواب بن نہ پڑا تو بابا نے کہا: بول ماہنے، کون چلاتا ہے چکی کے پاٹوں کو۔ میں کر ہنس پڑا۔ وہ مستری اور کون؟؟ مستری انسان ہے یا جن؟

سوالات:

الف۔ بابا نے آٹا پیسنے کی مشین کو "شیطان کا چرخا" کیوں کہا؟

ب۔ بابا کے مطابق گاؤں سے برکت اٹھنے کا سبب کیا ہو سکتا ہے؟

ج۔ یہ عبارت کن دو کرداروں کے درمیان ہے؟

د۔ بابا کے مطابق چکی کے پاٹوں کو کون چلاتا ہے؟ اور یہ بات کہاں تک درست تھی؟

۳۔ درج ذیل میں ایک افسانوی اور ایک غیر افسانوی انتخاب دیا جا رہا ہے۔ آپ ان دونوں کو پڑھیں اور ان میں موجود معلومات کو اخذ کرتے ہوئے ان کا موازنہ کریں اور اخذ شدہ معلومات پر آپس میں گفتگو کریں۔ دونوں مختلف اصناف نثر کے طرزِ تحریر سے آگاہی حاصل کریں۔

(۱)

مرزا سلیم کے ایک بھانجے مرزا شہ زور نو عمری کے سبب اکثر اپنے ماموں کی صحبت میں بے تکلف شریک ہوا کرتے تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ ایک تو وہ وقت تھا جو آج خواب و خیال کی طرح یاد آتا ہے اور ایک وہ وقت آیا کہ دہلی زیر و زبر ہو گئی۔ قلعہ برباد کر دیا گیا۔ امیروں کو پھانسیاں مل گئیں۔ ان کے گھر اُکھڑ گئے۔ اُن کی بیگمات ماما گیری کرنے لگیں اور مسلمانوں کی سب شان و شوکت تاراج ہو گئی۔ اِس کے بعد ایک دفعہ رمضان شریف کے مہینے میں جامع مسجد جانے کا اتفاق ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ جگہ جگہ چولھے بنے ہوئے ہیں۔ سپاہی روٹیاں پکا رہے ہیں۔ گھوڑوں کے دانے دَلے جا رہے ہیں۔ گھاس کے انبار لگے ہوئے ہیں اور شاہ جہاں کی خوب صورت اور بے مثال مسجد، اصطبل نظر آتی ہے اور پھر جب مسجد واگزاشت ہو گئی اور سرکار نے اُس کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا تو رمضان ہی کے مہینے میں پھر جانا ہوا۔ دیکھا کہ چند مسلمان میلے کچیلے پیوند لگے کپڑے پہنے بیٹھے ہیں۔ دو چار قرآن شریف کا دَور کر رہے ہیں اور کچھ اِسی پریشان حالی میں بیٹھے وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔ افطاری کے وقت چند آدمیوں نے کھجوریں اور دال سیو بانٹ دیے، کسی نے ترکاری کے قتلے تقسیم کر دیے۔ نہ وہ اگلا سا ساماں نہ وہ اگلی سی چہل پہل نہ وہ پہلی سی شان و شوکت۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ بے چارے فلک کے مارے چند لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ انگریزی تعلیم یافتہ مسلمان تو مسجد میں نظر ہی کم آتے ہیں۔ غریب غربا آئے تو اُن سے رونق کیا خاک ہو سکتی ہے؟ پھر بھی غنیمت ہے کہ مسجد آباد رہے۔ اگر مسلمانوں کے افلاس کا یہی عالم رہا تو آئندہ خبر نہیں کیا نوبت آئے

(۲)

اردو ہی پاکستان کی وہ واحد زبان ہے جو ہمارے کسی ایک علاقے کی زبان نہ ہوتے ہوئے بھی سبھی کی زبان ہے۔ پاکستان کے تمام علاقوں میں یکساں سمجھی، بولی، پڑھی اور لکھی جاتی ہے۔ اس کے علمی و ادبی سرمائے میں پاکستان کے ہر علاقے کے باشندوں نے مقدور بھر اضافہ کیا ہے۔ کوئی علاقہ ایسا نہیں جہاں اردو کے شاعر اور ادیب موجود نہ ہوں۔ اِس زبان کی ہمہ گیری و ہر دل عزیزی کا اندازہ اِس اَمر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستان کے ہر صوبے کو دعویٰ ہے کہ اردو اُس کے ہاں پیدا ہوئی۔ اِس ضمن میں ہمارے محققین نے بڑا قابلِ قدر کام کیا ہے۔ پنجاب میں اردو، سندھ میں اردو، سرحد (خیبر پختون خوا) میں اردو اور بلوچستان میں اردو کے عنوانات کے تحت متعدد کتابیں اور طویل مضامین تحریر ہوئے۔ جن سے اردو زبان کی تاریخ کے بارے میں اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اس طرح مقامی زبانوں اور اردو کے لسانی روابط پر بھی خاصی تحقیق ہو چکی ہے۔

اردو ادب نے دیگر پاکستانی زبانوں کے ادب پر بھی گہرے اثرات ڈالے۔ اِن زبانوں کی جدید نثر اور نظم میں اردو ادب سے خاصا استفادہ کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اِن زبانوں کا ادب، اردو ادب کو بھی متاثر کر رہا ہے۔ نہ صرف یہ کہ اِن زبانوں کے ادب کا ایک بڑا حصہ اردو میں منتقل ہو چکا ہے بل کہ اردو کے ذخیرۂ الفاظ میں اِن زبانوں کے الفاظ کی آمیزش سے خوش گوار اضافہ بھی ہوا ہے۔ اردو میں اب وہ لب و لہجہ پیدا ہو رہا ہے جسے ہم خالصتاً پاکستانی لب و لہجہ کہہ سکتے ہیں۔ آئین کی رُو سے اردو پاکستان کی قومی اور سرکاری زبان ہے۔ اِس زبان نے جہاں تخلیقِ پاکستان میں اہم کردار ادا کیا ہے وہاں یہ وطنِ عزیز کے مختلف علاقوں کے مابین رابطے کا اہم ذریعہ بھی ہے۔ یوں یہ زبان وحدتِ پاکستان کی ضامن بھی قرار پائی ہے۔

۴۔درج ذیل میں مختلف نثری اصناف (کہانی، ناول) کے اقتباسات دیے جا رہے ہیں۔ پہلا کہانی جب کہ دوسرا ناول کا اقتباس ہے۔ آپ انھیں پڑھیں اور ان کے طرزِ تحریر سے آگاہ ہوں کہ کہانی کس طرح سادہ، سہل اور عام فہم انداز میں تحریر کی جاتی ہے جب کہ ناول؛ تاریخی ہو یا رومانوی، سیاسی ہو یا جاسوسی، میں اس کا اپنا ایک اسلوب پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔

(ا۔۔ کہانی)

اِدھر چغل خور کو کسان کے ہاں ملازم ہوئے چھے ماہ بیت چکے تھے اور اب اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی سے کسان کی کوئی چغلی کھائے۔ وہ چھے ماہ سے اب تک اپنی اس عادت پر جبر کیے ہوئے تھا مگر اب معاہدے کی مدت ختم ہونے پر اپنے آپ پر قابو پانا اس کے بس میں نہ تھا، چنانچہ جب وہ اپنی عادت سے بالکل مجبور ہو گیا تو اس نے سوچا، اب چاہے کچھ ہو، میں کسان کی چغلی ضرور کھاؤں گا اور اب تو معاہدے کے مطابق میرا حق بھی ہے۔ ایک روز کسان حسبِ معمول اپنے کھیتوں میں گیا ہوا تھا اور گھر میں اُس کی بیوی اکیلی تھی۔ یہ دیکھ کر چغل خور کسان کی بیوی کے پاس گیا اور بڑا ہم درد بنتے ہوئے کہنے لگا: اگر تم بُرا نہ مانو تو میں تم سے ایک بات کہوں؟"

(۲)

اب تو میرے گاؤں میں پرائمری سکول قائم ہے لیکن میرے بچپن میں جب ابھی پاکستان وجود میں نہیں آیا تھا، میں اپنے گاؤں سے تین میل دور گل بہار میں پڑھنے کو جایا کرتا تھا۔ میں پڑھائی میں اچھا تھا اور میرے استاد مجھ پر مہربان تھے، اِس لیے بچپن کے اُس زمانے کی یادیں اب بھی تازہ ہیں۔ یادیں کڑوی ہوں یا میٹھی، تازگی اُنھیں میں ہوتی ہے جو نہ جانے۔۔۔۔۔ آٹھویں جماعت پاس شخص کے پاس مناسب لفظ بھی کم ہوتے ہیں اور لوگ جب مجھے منشی عبدالرحمن کے نام سے پکارتے ہیں تو مجھے اپنی کم علمی پر شرم بھی آتی ہے لیکن میں جو بات کرنا چاہتا ہوں اُسے لفظوں کا لباس پہنانا بھی ضروری ہے۔

لکھنا

رسمی/غیر رسمی خط

مکتوب نگاری یا خطوط نویسی ایک ایسی صنفِ ادب ہے جس میں ایک انسان اپنے خیالات، جذبات و احساسات کا بے ساختہ اظہار کرنے میں آزاد ہوتا ہے۔ خطوط مختلف اقسام کے ہو سکتے ہیں جن میں شخصی خطوط، عمومی خطوط، رسمی خطوط، کاروباری خطوط، سرکاری یا دفتری خطوط وغیرہ اہم ہیں۔ رسمی خطوط؛ شادی بیاہ، سال گرہ کی تقریب یا علمی ادبی و ثقافتی تقریبات میں شرکت کی دعوت دینے کے لیے لکھے جاتے ہیں یعنی مختلف قسم کے دعوت ناموں کو رسمی خطوط کہا جاتا ہے۔ رسمی قسم کے مضمون کے حامل ان خطوط میں تمام مدعوئین کو ایک جیسے آداب و القابات سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ عزیز و اقارب اور دوست احباب کے نام لکھے گئے خطوط کو "غیر رسمی خطوط" کہا جاتا ہے۔ ایسے خطوط میں بے تکلفانہ اندازِ تحریر اختیار کیا جاتا ہے۔

۵۔ رسمی خط کا ایک نمونہ جماعت نہم کی کتاب میں درج کیا گیا تھا۔ اب ذیل میں غیر رسمی خط کا نمونہ دیا جا رہا ہے۔

چچا جان کے نام تحفے کے شکریے کا خط

امتحانی کمرا

ا۔ب۔ج

۲۵/ مئی ۲۰۲۴ء

پیارے چچا جان!

السلام علیکم!

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ سال گرہ کی تقریب میں ہم سب بے چینی سے آپ کی آمد کے منتظر تھے کہ آپ اپنی موجودگی سے میری سال گرہ کی تقریب کو رونق بخشیں گے لیکن مجھے خاص طور پر دکھ ہوا جب مجھے پتا چلا کہ آپ اپنی دفتری مصروفیات کی وجہ سے نہ آسکیں گے۔

اگرچہ سال گرہ کی تقریب میں ہم تمام گھر والوں کو آپ کی خوش مزاج شخصیت کی کمی محسوس تو ہوئی لیکن میرے لیے تو آپ کی طرف سے ملنے والا سرپرائز بہت زیادہ خوشی کا باعث بنا جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے میری سال گرہ پر کلائی پر باندھی جانے والی ایک خوب صورت گھڑی کا تحفہ ارسال کیا ہے۔ میں اپنی خوشی کو الفاظ کی صورت میں بیان نہیں کر سکتا کیوں کہ گھڑی کی نہ صرف مجھے سخت ضرورت تھی بلکہ مجھے کلائی کی گھڑیاں پسند بھی بہت ہیں۔

گھڑی ملنے کے بعد اب میں اپنے معاملات میں وقت کی مزید پابندی بھی کرنے کے قابل ہو جاؤں گا۔ امتحان کے دنوں میں پرچوں کو بروقت مکمل کرنے میں بھی کافی مدد ملے گی۔

اتنا خوب صورت، کارآمد اور قیمتی تحفہ بھیجنے کا ایک بار پھر شکریہ۔ چچی جان کی خدمت میں بھی سلام عرض ہے۔

والسلام

آپ کا بھتیجا

د۔ی۔ے

۶۔ اپنے دوست کو خط لکھ کر اس کے والد کی وفات پر تعزیت کا اظہار کریں۔

قواعد

حروف کی اقسام:

i۔ **حروفِ شرط و جزا:** وہ حروف جو کسی شرط کے لیے استعمال ہوں۔

مثلاً: اگر ورزش کرو گے تو صحت مند رہو گے۔

جب تک جھوٹ بولنا نہیں چھوڑو گے دنیا میں عزت حاصل نہیں کر سکتے۔

پاکستان ترقی کر ہی نہیں سکتا تا وقت یہ کہ سب لوگ ایمان داری کا مظاہرہ نہ کریں۔

اگر، اگرچہ، جب، جب تک، تا وقت یہ کہ، جوں ہی، حروفِ شرط ہیں۔

جس کام کے لیے شرط عائد کی گئی ہو اس کے ساتھ جزا کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔

مثلاً: اگر ورزش کرو گے تو صحت مند رہو گے۔

اس مثال میں "تو" حرفِ جزا ہے۔

ii۔ حروفِ علت: کسی وجہ یا سبب کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہونے والے حروف، کیوں کہ، چوں کہ، تاکہ، لہٰذا، اس لیے

مثلاً: آج بارش ہو رہی تھی اس لیے احمد وقت پر نہ پہنچ سکا۔

چوں کہ وہ بیمار ہے اس لیے اسکول حاضر نہیں ہو سکتا۔

وہ لنگڑا کے چل رہا ہے کیوں کہ اُسے ایک حادثہ پیش آیا تھا۔

میں آج بہت مصروف ہوں لہٰذا آج ملاقات نہیں ہو سکتی۔

iii حروفِ اضراب: ایک بات کو ترقی دے کر اعلیٰ کو ادنیٰ یا ادنیٰ کو اعلیٰ بنا دینے کے موقع پر استعمال ہونے والے حروف

مثلاً: وہ انسان نہیں بل کہ حیوان ہے۔

اس مثال میں "بل کہ" حرفِ اضراب ہے۔

iv۔ حروفِ بیان: ایسے حروف جو کسی وضاحت کے لیے استعمال کیے جائیں۔

مثلاً: استاد محترم نے کہا کہ سب کھڑے ہو جاؤ۔

اس مثال میں "کہ" حرفِ بیان ہے۔

v حروفِ تشبیہ: یہ حروف ایک شے کو دوسری شے کی طرح بتانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

مثلاً: سلمان تو شیر کی طرح بہادر ہے۔

پانی تو برف کی مانند ٹھنڈا تھا۔

اُس کے دانت تو موتیوں جیسے ہیں۔

مانند، مثل، طرح، سا، جیسا، بعینہٖ حروفِ تشبیہ ہیں۔

۷۔ درج ذیل حروف کی شناخت کرتے ہوئے ان کے جملے لکھیں۔

اگر، لیکن، اس لیے، بل کہ، مثل، چوں کہ

سرگرمیاں

۱۔ آپ اپنے گاؤں گئے ہوں گے اور گاؤں کی تہذیب و تمدن اور رہن سہن کا مشاہدہ بھی کیا ہوگا۔ دیہاتی اور شہری زندگی کی بُود و باش کے حوالے سے ایک ایک پیراگراف لکھتے ہوئے دونوں کے درمیان فرق واضح کریں۔

۲۔ معاصر چینی افسانے" مرتب و مترجم منیر فیاض (پبلشر: اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد) اپنے سکول کی لائبریری سے جاری کرائیں اور عالمی ثقافتوں، معاشرتی، معاشی اور سماجی رابطوں کے حوالے سے ان افسانوں کو پڑھیں اور ان سے معلومات اخذ کریں۔